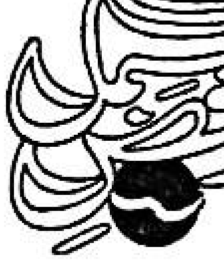


نبیلہ عزیز



ماورا مرتضیٰ، عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتمیزی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔

اشتیاق یزدانی، آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت، تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس



کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر، تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا، عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات ساشا سے بیان کر دیتی ہے۔ ماورا بی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ بی گل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

شادی میں تیمور حیدر، ماورا کے قریب آنے کی کافی کوشش کرتا ہے مگر ماورا کا سخت اور کھردرا رویہ ہر بار اسے ناکام کر دیتا۔ تیمور، ماورا سے رضا حیدر کو ملواتا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر باوجود کوشش کے وہ سمجھ نہیں پاتے۔ فارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات تیام مرزا کے بیٹے مونس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت بیزار ہوتی ہے جبکہ مونس خوب دلچسپی لیتا ہے۔

آفاق آدھی رات کو غائب ہو جاتا ہے۔ فارہ پریشان ہوتی ہے۔ وہ صبح آکر بتاتا ہے کہ اس کے دوست کے ساتھ کوئی ایمرجنسی ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کے آرام کا خیال کرتے ہوئے وہ بغیر بتائے چلا گیا تھا۔ مگر فارہ اس کی بات پہ یقین نہیں کرتی۔ تیمور، فارہ کے ذریعے ماورا کو اپنے آفس میں ایک شاندار پیکج پر جاب کی پیشکش کرتا ہے جسے ماورا کافی حیل حجت کرنے کے بعد قبول کر لیتی ہے۔

سولہویں قسط ۱۶

اس کی نظریں عزت کے چہرے کے گرد طواف کرنے لگی تھیں۔

کیونکہ لیپ ٹاپ کی روشنی نے اس کے چہرے کے ارد گرد اک عجیب سحر انگیز سا احاطہ باندھ رکھا تھا، جس کا اثر اس کے چہرے سے ولید کے دل تک محسوس ہو رہا تھا اور وہ مسمرائز سا اسے نہ دیکھنے کا اور اس کا سامنا نہ کرنے کا عہد بھول گیا تھا۔

"صاحب... ! آپ بیٹھیے۔ تیمور صاحب تھوڑی دیر میں فریش ہو کر آ رہے ہیں۔" اس کے چہرے اور ولید کے دل کا طلسم ملازمہ کی آواز نے توڑا تھا، جس پہ عزت نے بھی یکدم چونک کر ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے کی طرف دیکھا... اور دیکھتے ہی ٹھٹک گئی۔

"السلام علیکم... !" آنے والا ولید تھا۔ اس لیے سلام میں پہل کرنا اس کا فرض تھا۔

"وعلیکم السلام... !" عزت سنبھلتے ہوئے سیدھی ہو بیٹھی اور لیپ ٹاپ گود سے اٹھا کر ٹیبل رکھ دیا۔

"وہ... مجھے دراصل تیمور سے ملنا تھا۔ اگر وہ فری نہیں ہے تو میں دوبارہ آ جاؤں گا۔ چلتا ہوں۔" ولید جو ابھی ابھی عزت کے سامنے اسکرین پہ دھواں دھار گفتگو کر رہا تھا۔ یوں اچانک سامنا ہو جانے پہ بات کرنے کے لیے الفاظ ڈھونڈنے لگا تھا۔

"میری وجہ سے جا رہے ہیں تو مت جائیں... میں چلی جاتی ہوں۔" عزت کی آواز پہ اس کے پلٹتے قدم رک گئے۔

"آپ کیوں جائیں گی... یہ آپ کا گھر ہے۔ میں تو مہمان ہوں، میں نے تو جانا ہی ہے؟" ولید کے لہجے کا طنز چھپا ہوا نہیں رہ سکا تھا۔ مونس مرزا والی ضرب اس کے دل پہ اب بھی تازہ تھی۔

"اسی لیے تو جا رہی ہوں کہ میرے گھر آپ جیسا مہمان بنا رکے محض آ کر چلا جائے مجھے گوارا نہیں؟" وہ کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کبھی کبھی بہت کچھ گوارا کرنا پڑ جاتا ہے مس عزت حیدر... !" ولید کا اشارہ اپنی ناگواریت کی طرف تھا۔

"کر تو رہی ہوں..." وہ اپنی بات کر رہی تھی اور وہ اپنی بات کر رہا تھا۔ کیونکہ چوٹ زدہ دونوں ہی تھے۔

"مونس مرزا کے ساتھ جانا گوارا تھا؟" ولید کے دل کی جلن زبان کی کڑواہٹ بن کے لفظوں میں ڈھل گئی تھی۔

عزت اس کے منہ سے ایسا طنز بھرا اور کاٹ دار سوال سن کر چونک گئی تھی کہ کیا اسے یہ بھی خبر ہے کہ وہ مونس مرزا کے ساتھ گئی تھی؟

"بتائیے ناں مس عزت حیدر... مونس مرزا کے ساتھ جانا گوارا تھا...؟"

اس نے عزت کی طرف مڑتے ہوئے اس کے چہرے پہ نظریں جماتے ہوئے پوچھا تھا...

"میں مونس مرزا کے ساتھ جاؤں... یا کسی اور کے ساتھ... یہ میرا پرسنل میٹر ہے... اس سے آپ کا کیا تعلق؟"

اس نے تو جیسے ولید کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ یک دم تڑپ ہی تو گیا تھا۔

"اس سے میرا ہی تو تعلق ہے اور میں یہ برداشت نہیں۔" ولید کے منہ سے غصے اور تلملاہٹ میں آ کر نکلا ہوا یہ آدھا ادھورا سا جملہ عزت حیدر کو پوری طرح سرشار اور مطمئن کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس کا دل خوشی کے مارے قہقہے لگاتا ہوا قلابازیاں کھانے لگا تھا۔ جبکہ ولید اپنے منہ سے نکلے تیر کو قابو کرنے کی کوشش میں چپ کا چپ رہ گیا تھا۔

"میرا خیال ہے میں اب چلتی ہوں... تیمور بھائی آ رہے ہوں گے۔" وہ بڑے اطمینان سے کہتے ہوئے اپنا لیپ ٹاپ بند کرنے کے لیے پلٹ گئی تھی۔

"ویسے جاتے جاتے آپ کو بتاتی جاؤں کہ مونس مرزا کے ساتھ جانا... گوارا کرنا ہی تھا۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ آپ سے ہٹ کے بھی کوئی مجھے گوارا ہو سکتا ہے یا نہیں... مگر افسوس کہ نہیں ہوا۔ وہ ناگوار کا ناگوار ہی رہا۔"

وہ اس کے قریب سے گزر کر باہر جاتے جاتے اسے بتا ہی گئی تھی۔

"عزت... بات سنو۔" ولید نے بے ساختہ اسے پکارا۔

"تیمور سنوں گی مگر ابھی نہیں۔" وہ اپنی مسکراہٹ دبا کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

اس کے جانے کے فوراً بعد ہی تیمور بھی آ گیا تھا۔

"السلام علیکم... !" تیمور نے اندر داخل ہوتے ہی بڑے نپے تلے سے انداز میں سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام... !" ولید اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"بیٹھیے تشریف رکھیے... !" تیمور اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود اس کے سامنے والے صوفے کی طرف بڑھ گیا تھا... جبکہ ولید اس کے طرز تخاطب سے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ ہنوز اسی موڈ میں ہے۔

"کیسے ہو...؟" ولید نے خود ہی حال احوال پوچھنے میں پہل کی تھی۔

"ٹھیک ٹھاک... مجھے کیا ہو گا بھلا...؟" اس نے کندھے اچکائے۔

"نظر تو نہیں آ رہا کہ تم ٹھیک ٹھاک ہو..." ولید چھیڑنے والی شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"رات سو نہیں سکا۔ نیند پوری نہیں ہوئی اس لیے۔" تیمور کا سر درد سے بوجھل ہو رہا تھا اور آواز بھی گمبھیر سی لگ رہی تھی۔

"کیوں رات بھر سو کیوں نہیں سکے... ابھی تو تمہاری شادی بھی نہیں ہوئی... پھر نیند پوری نہ ہونے کا مطلب؟" ولید جان بوجھ کر بات کو ادھر ادھر گھما رہا تھا۔

"پلیز! میں کوئی بھی الٹی سیدھی بات کے موڈ میں نہیں ہوں۔" تیمور نے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے اسے ٹوکنے کی کوشش کی تھی۔

"تو پھر کس موڈ میں ہو۔۔۔؟" ولید پھر بھی باز نہیں آیا تھا۔

"ولید پلیز۔۔۔! میں پہلے ہی رات بھر کا تھکا ہوا ہوں' مجھے مزید ڈسٹرب مت کرو۔" تیمور نے اپنی کنپٹی کو سہلایا تھا۔

"تیمور۔۔۔! میں وہی تم سے پوچھ رہا ہوں خیریت تو ہے ناں؟" ولید کا لہجہ بھی بدل گیا تھا کیونکہ اسے محسوس ہو چکا تھا کہ تیمور کچھ پریشان بھی ہے اور ست بھی۔

"ہوں! خیریت ہے۔۔۔ بس رات کو کہیں جانا پڑ گیا تھا۔" تیمور کے لہجے اور آواز دونوں سے ہی تھکن جھلک رہی تھی۔

"کہاں۔۔۔؟" ولید کی تشویش ہنوز تھی۔

"ہاسپٹل۔۔۔!" وہ بہت مختصر سی بات کر رہا تھا جس پہ ولید مطمئن ہونے والا نہیں تھا۔

"ہاسپٹل۔۔۔ مگر کیوں۔۔۔؟"

"وہ ماورا مرتضیٰ نے بلایا تھا۔۔۔" تیمور کا سر درد سے برا حال تھا۔ اسی لیے عجیب بے ربط سے انداز میں جواب دے رہا تھا۔

"واٹ نان سینس یار۔۔۔! کوئی بات بتانی ہے تو سیدھی طرح بتاؤ۔ یہ کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو؟ ماورا مرتضیٰ نے ہاسپٹل بلایا تھا کس لیے بلایا تھا۔" ولید کو اچھی خاصی خفگی ہوئی تھی اسی لیے ذرا جھنجھلا کے بولا تھا۔

"اس کی بی گل بیمار تھیں۔ ان کو لے کر ہاسپٹل جانا تھا۔ وہ اپنی امی کے ساتھ اکیلی تھی۔ اس لیے اس نے مجھے کال کی۔۔۔ اور مجھے جانا پڑا۔۔۔ رات بھر وہیں رہا ہوں۔۔۔ ابھی صبح ہی آیا ہوں۔" تیمور بتاتے ہوئے بھی اپنی کنپٹی مسل رہا تھا۔

"ہوں۔۔۔! یہ بی گل کون ہیں۔۔۔" "اس کی نانی اماں یا دادی اماں؟" ولید نے وہ سوال اٹھایا تھا جو خود تیمور کے ذہن میں بھی نہیں آیا تھا۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں پتا۔۔۔ لیکن ماورا اور اس کی امی انہیں بی گل ہی کہتی ہیں۔" تیمور نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

"یعنی کہ ان کی بی گل کے ساتھ کوئی اور ہی رشتہ ہے۔۔۔؟" ولید نے پرسوچ سے انداز میں کہا۔

"ہوگا۔۔۔!" تیمور کی لاتعلقی بتا رہی تھی کہ اسے تھکن کے علاوہ کوئی اور بھی مسئلہ ہے لیکن وہ کھل کے بتا نہیں رہا۔

"ہوگا؟ یعنی تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ تمہاری بلا سے؟" ولید نے پھر کریدنے کی کوشش کی تھی۔

"یہی سمجھ لو۔۔۔" تیمور نے کندھے اچکائے۔

"ماورا سے کوئی بات ہوگئی ہے۔۔۔؟" اب کی بار ولید کے استفسار پہ وہ یکدم غصے سے پھٹ پڑا۔

"ہاں۔۔۔ ہوگئی ہے بات۔ ہوگئی ہے۔ اس لیے مجھے اب اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کوئی مطلب نہیں ہے تم سے بھی نہیں۔ تم بھی اور وہ بھی۔۔۔ سب ایک جیسے ہو۔۔۔ بے وفا' دھوکے باز' انا پرست اور خود غرض۔۔۔ تم لوگوں کو بس اپنے آپ سے مطلب ہے' کسی دوسرے سے نہیں۔۔۔ کوئی دوسرا تم لوگوں کے لیے مرے چاہے جیے تمہاری بلا سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

تیمور کہتے کہتے ذرا دیر کے لیے رکا اور پھر کچھ توقف کے بعد دوبارہ شروع ہوگیا۔

"مگر اب۔۔۔ اب میں نے بھی اپنے دل کے ساتھ یہ عہد کر لیا ہے کہ۔۔۔ اب مجھے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ نہ تم سے نہ اس سے۔"

تیمور نے بڑی آسانی سے انہیں اپنی ذات سے پرے جھٹک دینے کی کوشش کی تھی جو کہ ایک ناکام سی کوشش تھی۔۔۔ ولید اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے اس طرح جھٹک دینے سے تعلق ختم تو نہیں ہو سکتا۔ یہ تو محض اس کے غصے کی حالت تھی۔

"اچھا۔۔۔؟ وہ اگر اتنی ہی بے وفا' دھوکے باز' انا پرست اور خود غرض ہے تو اس کی خاطر رات جاگ کر کیوں گزار دی؟ اور اگر میں اتنا ہی بے وفا' دھوکے باز' انا پرست' اور خود غرض ہوں تو میرے لیے اٹھ کر کیوں آ گئے ہو؟ کیوں بے آرام اور بے سکون ہوتے ہو ہمارے لیے؟" ولید نے اس کا دل جلانے والا نکتہ اٹھایا تھا۔

"کیونکہ مجھے تم لوگوں کی پروا ہے۔ تم لوگوں کو نہیں ہے۔" تیمور حد درجہ بدگمان اور متنفر نظر آ رہا تھا۔

"کون کہتا ہے کہ ہمیں تمہاری پروا نہیں ہے۔۔۔؟" ولید کے سوال پہ تیمور کا خیال بے اختیار ماورا کی طرف چلا گیا تھا۔ جب وہ صبح فجر کے وقت اس کے بے حد قریب جھکی اس کے سر کے نیچے اپنی چادر کا تکیہ بنا کے رکھ رہی تھی۔

"میں کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔" تیمور نے سر جھٹک دیا۔

"بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔۔۔ لیکن بدگمانی میں فوراً "پڑ جاتے ہو۔۔۔؟" ولید نے کہتے ہوئے اسے طنزیہ اور تمسخرانہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"یہ بدگمانی نہیں حقیقت ہے۔" تیمور نے بے حد مضبوط لہجے میں اپنی بات پہ زور دیا تھا۔

"اتنے یقین سے کہو گے تو مجھے بھی حقیقت ہی لگے گا۔۔۔ جبکہ لگنے میں اور ہونے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔" ولید اسے سمجھانے کی سعی کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ جو بھی ہے میرا مسئلہ ہے اور میں اپنے مسئلے کا حل نکال لوں گا۔" تیمور نے ایک بار پھر لاتعلقی کا مظاہرہ کیا۔

"یہ صرف تمہارا مسئلہ نہیں ہے کیونکہ اس میں ہم بھی انوالو ہو رہے ہیں اور وہ بھی بے گناہ اور بے وجہ۔۔۔" ولید کی اس بات نے بھی اسے چیخنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"بے گناہ اور بے وجہ۔۔۔؟"

"او کے۔۔۔ او کے! میں تو چلو مان لیتا ہوں کہ میں گناہ گار ہوں' قصوروار ہوں' لیکن ماورا مرتضیٰ وہ بے چاری۔۔۔ اس کا کیا قصور ہے بھلا؟"

ولید نے کافی تاسف کا اظہار کیا تھا۔

"وہ بے چاری نہیں ہے۔۔۔ سارا قصور ہی اس کا ہے۔۔۔ وہ بے حس ہے' بے مروت ہے۔ میرے دل سے کھیل رہی ہے۔" تیمور چیخ کر بولا۔

"اس طرح دل دو گے تو وہ تو کھیلے گی ہی ناں؟" ولید دل ہی دل میں بڑبڑایا۔

"ایسا بھی کیا قصور ہو گیا ہے اس سے؟ کیا کہہ دیا اس نے؟" ولید اس سے اصل بات اگلوانا چاہتا تھا۔

اور تیمور اس قدر ڈپریشن کا شکار تھا کہ بے دھیانی میں سب کہہ گیا تھا۔

"وہ میرے ساتھ فیئر نہیں ہے۔۔۔ وہ ڈبل پرسنالٹی کی مالک ہے۔۔۔ میں اس کا چہرہ دیکھ رہا ہوں۔ اس کا باطن کیا ہے' یہ مجھ سے پوشیدہ ہے لیکن اب میں اس کا باطن دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کو اندر سے جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کیا

چاہتی ہے؟" تیمور کی سوچ اب بھی وہی تھی۔

"حالانکہ یہ بات تمہیں پہلے سوچنا چاہیے تھی۔" ولید نے سرزنش کی۔

"اب تو سوچ لی ہے ناں۔۔۔؟" تیمور کی خفگی اور بیزاریت عروج پہ تھی۔

"اچھی بات ہے اگر سوچ لیا ہے تو اس پہ عمل کرنے کے لیے اپنے رویے اور اپنے طرز عمل کو بدلو۔۔۔ ورنہ اس طرح غصے اور خفگی سے تمہیں کسی چیز کا کچھ پتا نہیں چلے گا۔ کیونکہ سیانے کہتے ہیں کہ کسی کے اندر کا حال جاننے کے لیے اس کے اندر اترنا پڑتا ہے۔۔۔ سمندر کی گہرائی کنارے پہ کھڑے رہنے سے کبھی بھی معلوم نہیں ہو سکتی۔۔۔ تم اگر ماورا مرتضیٰ کے اندر کی گہرائی جاننا چاہتے ہو تو تمہیں اس کے قریب جانا ہوگا۔۔۔ اس طرح دور دور سے کچھ بھی آشکار نہیں ہوگا۔" ولید کے اک نئے مشورے نے اسے مزید چونکا دیا تھا مگر اس نے جواباً کہا کچھ بھی نہیں۔

"کیا بات ہے۔۔۔ چپ کیوں ہو گئے ہو؟" ولید کو اس کے موڈ پہ الجھن اور تشویش ہو رہی تھی۔ تیمور نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"نہیں۔۔۔ کچھ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ میں اب چلتا ہوں۔۔۔ دوبارہ ملاقات ہوگی۔" ولید اٹھ کھڑا ہوا تھا اور تیمور نے بھی اپنے ذہنی تناؤ کی وجہ سے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔۔ ولید اور تیمور کے بیچ کا غصہ اور ناراضی بیچ میں ہی رہ گئے تھے۔۔۔ نہ ولید نے اس قصے کو چھیڑا تھا اور نہ تیمور نے۔۔۔!

☼ ☼ ☼

آفاق ابھی آفس پہنچا ہی تھا کہ فارہ کی کال آ گئی تھی۔

"ہیلو۔۔۔؟" اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

"آپ کہاں ہیں۔۔۔؟" فارہ کی آواز تھوڑی پریشان سی لگ رہی تھی' آفاق بھی پریشان ہو گیا تھا۔

"آفس۔۔۔ اور کہاں۔۔۔؟" وہ بریف کیس رکھتے ہوئے بولا۔

"اوہ۔۔۔!" فارہ کا انداز مایوس سا ہو گیا۔

"کیوں' کیا ہوا؟ خیریت۔۔۔؟" آفاق کو فکر لگ گئی۔

"وہ دراصل ماورا کی بی گل بیمار ہیں۔۔۔ رات سے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں۔۔۔ ان کے پاس ہاسپٹل جانا تھا۔۔۔" فارہ نے وجہ بتائی۔

"اوہ۔۔۔ تو اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟ ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ۔" آفاق نے بڑی لاپروائی سے جواب دیا تھا جبکہ فارہ کا مدعا کچھ اور تھا۔

"ڈرائیور کے ساتھ تو چلی جاؤں لیکن میں چاہ رہی تھی کہ آپ بھی اگر آجاتے تو اچھا ہوتا۔۔۔ وہ دراصل ماورا اور اس کی امی اکیلی ہیں۔ کوئی مرد بھی نہیں ہے۔ آپ کے آجانے سے ان کی کچھ ہیلپ ہو سکتی تھی۔۔۔" فارہ نے مدعا کھل کے بیان کیا تھا۔

"ہوں تو یہ بات ہے۔۔۔ اوکے ابھی تم جاؤ۔۔۔ میں ایک دو گھنٹے میں کام نپٹا کر وہیں ہاسپٹل آجاؤں گا۔۔۔ اور آنے سے پہلے تمہیں کال بھی کر دوں گا۔" آفاق نے ہامی بھر لی تھی' جس پہ فارہ فوراً" ہی خوش بھی ہو گئی تھی۔

"اوکے تھینک یو۔۔۔! میں ابھی تھوڑی دیر میں جا رہی ہوں۔"

اس نے خوشی خوشی کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ جانے سے پہلے وہ ثمینہ یزدانی کو بتا کر اور ان کی اجازت لے کر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

دروازے پہ دستک کے بعد ابھرنے والی تیمور حیدر کی آواز نے فارہ اور ماورا دونوں کو ہی چونکا دیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔!" ماورا اسے دیکھتے ہی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ شاور وغیرہ لینے کے بعد نک سک سے تیار مردانہ کلون کی خوشبوؤں سے مہکتا ہوا جتنا فریش لگ رہا تھا' اتنا ہی لاتعلق بھی نظر آ رہا تھا۔ کیونکہ اس کی نظریں ماورا کے بجائے بی گل کی طرف تھیں۔ پھر وہ ان ہی کی طرف بڑھ گیا۔

"السلام علیکم بی گل! کیسی ہیں آپ؟" اس نے یوں ان کو مخاطب کرتے ہوئے ان کا حال احوال پوچھا تھا جیسے صدیوں سے شناسائی اور بے تکلفی چلی آ رہی ہو۔۔۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ جیتے رہو بیٹا! اللہ کا بڑا کرم ہے۔۔۔ اور تمہارا بھی بہت احسان ہے ہم پہ۔ ساری رات خوار ہوتے رہے۔" ماورا نے بی گل کو ہوش میں آتے ہی سب کچھ بتا دیا تھا۔

"اٹس اوکے۔۔۔! میری جگہ کوئی اور بھی ہوتا' یقیناً" ایسا ہی کرتا۔۔۔ کیونکہ مشکل وقت میں کوئی بھی ہیلپ مانگے تو بندے سے انکار نہیں ہو سکتا۔"

تیمور بات تو بی گل سے کر رہا تھا لیکن جس کو سنانا تھا' اسے سنا دیا تھا۔ اور وہ سن کر سمجھ بھی گئی تھی۔

"ہاں بیٹا۔۔۔! یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن کچھ لوگ لاپروائی کر جاتے ہیں۔۔۔ لیکن تم تو پوری رات۔۔۔"

"پلیز بی گل! میں نے کوئی اتنا بڑا کام بھی نہیں کیا۔ اس لیے پلیز بار بار شرمندہ مت کریں۔ آئندہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتا دیجیے گا۔۔۔ میں ان شاء اللہ حاضر ملوں گا۔" اس نے بڑے مخلصانہ انداز میں کہا تھا اور بی گل اس کے اتنے اچھے لب و لہجے پہ اسے دیکھتی اور سوچتی رہ گئی تھیں کہ یہ رضا حیدر کا بیٹا ہے۔۔۔ اتنا اچھا۔۔۔؟

"کیا دیکھ رہی ہیں۔۔۔؟" تیمور ان کے یوں یک ٹک دیکھنے پہ مسکرایا۔

"دیکھ رہی ہوں ماشاء اللہ بہت خوب صورت ہو۔۔۔ اللہ عمر دراز کرے اور نظر بد سے بچائے۔" بی گل نے قریب کھڑے تیمور کا ہاتھ پکڑ کر بہت اپنائیت سے تھپکا تھا۔ تیمور ان کی دعا پہ چپ ہو کے رہ گیا۔ "خوب صورت ہوں یا نہیں' یہ مجھے نہیں پتا۔ میری عمر دراز ہے یا نہیں ہے' یہ بھی مجھے نہیں پتا۔ البتہ یہ ضرور پتا ہے کہ نظر بد سے نہیں بچ سکا۔۔۔ جو لگنی تھی وہ لگ گئی۔"

اس نے تمسخرانہ سے انداز میں کہتے ہوئے جیسے اپنے آپ کا مذاق اڑایا تھا۔۔۔

"کہاں سے لگ گئی۔۔۔ ماشاء اللہ ٹھیک ٹھاک تو ہو۔۔۔؟" بی گل نے اسے سرتاپا دیکھا تھا۔

"یہی تو حیرت ہے کہ پھر بھی ٹھیک ٹھاک ہوں۔۔۔" اس نے سر جھٹکا۔

اس کی بات پہ ماورا نے بے ساختہ فارہ کی طرف دیکھا تھا۔

جبکہ فارہ خود نظریں جھکا کے رہ گئی تھی۔

کیونکہ ماورا کے ساتھ ساتھ وہ بھی تیمور کی نظروں میں اپنے آپ کو چور محسوس کرنے لگی تھی۔

"ارے نہیں بیٹا! ایسی باتیں نہیں کرتے۔ اور تم کھڑے کیوں ہو۔ ماورا! کہاں دھیان ہے تمہارا؟" بی گل نے ماورا کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اسے سرزنش کی تھی۔

"سوری بی گل! آپ لوگ بات کر رہے تھے تو میں نے ڈسٹرب نہیں کیا۔ آئیے تشریف رکھیے۔" ماورا نے ذرا

سائیڈ پہ رکھی کرسی کھینچ کر اسے بیٹھنے کا کہا تھا۔
"تھینکس! مجھے ڈاکٹرز کا نے کال کی تھی۔ بتا رہے تھے کہ شام کو بی گل کو ڈسچارج کر دیا جائے گا اس لیے
میں نے سوچا کہ میں ایک بار خود تسلی کرلوں۔"
اس نے اپنے آنے کی وجہ بتائی۔
"تھینک یو سر! آپ نے دوبارہ زحمت کی۔ بی گل واقعی پہلے سے کافی بہتر ہیں۔"
"اوکے۔ میں بات کرتا ہوں ڈاکٹر سے۔" تیمور نے اثبات میں سر ہلایا۔
"لیکن سر! ابھی تو امی کسی کام سے گھر گئی ہوئی ہیں' وہ آجائیں تو پھر۔" ماورا نے اسے روکا۔ وہ قدم اٹھاتے
اٹھاتے رک گیا تھا۔
"ڈسچارج ابھی نہیں کیا جا رہا۔ شام کو ہوں گی۔" تیمور نے اپنی بات پہ زور دیا۔
ان کے بلز بھی کلیئر ہو جائیں گے۔ ڈونٹ وری۔"
"مگر سر! مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔" ماورا دبے لفظوں میں بولی۔
"آپ کو تو میں بھی۔" تیمور کا ادھورا مگر برجستہ جواب تھا۔
جس کے بعد ماورا بھی چپ ہو گئی تھی اور تیمور بھی۔
البتہ فارہ اور بی گل کے سامنے دونوں کا ہی کچھ بھرم رہ گیا تھا' کیونکہ وہ دونوں آپس میں محو گفتگو تھیں۔
"چلتا ہوں!" وہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا اور ماورا پھر وہیں کھڑی دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

فارہ نے پورا دن آفاق کا انتظار کیا تھا۔
مگر ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ وعدے سے مکر گیا تھا۔
فارہ نے دو تین بار اس کے نمبر پہ کال بھی کی تھی مگر اس کا نمبر بند جا رہا تھا' پھر اس نے آفس کے نمبر پر کال کی۔

وہاں سے پتا چلا کہ وہ دن بارہ بجے ہی آفس سے اٹھ گئے تھے۔ "آفاق!" فارہ مٹھیاں بھینچ کے رہ گئی تھی۔
"فارہ! کیا بات ہے۔ کچھ پریشان ہو تم۔" ماورا نے اسپتال سے نکلتے ہوئے استفسار کیا۔
"نن۔ نہیں۔! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس صبح سے بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہوں۔" فارہ نے تھکن کا بہانہ بنا دیا
تھا۔
"ٹھیک ہے۔ اب تم گھر جا کر آرام کرو۔ ہم بھی نکلتے ہیں۔" ماورا گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔
"اوکے! کوئی پرابلم' کوئی مسئلہ ہو تو مجھے فون کر دینا۔ جھجکنے کی ضرورت نہیں ہے۔" فارہ اسے تاکید کرتے
ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔
ماورا نے پلٹ کر تیمور کی گاڑی کی طرف دیکھا تھا۔ وہ ماورا کے گاڑی میں بیٹھنے کا انتظار کر رہا تھا' کیونکہ وہ ان
لوگوں کو اپنی نگرانی میں گھر چھوڑنے کی ذمہ داری پوری کرنا چاہتا تھا۔
فارہ کی گاڑی نکلتے ہی ماورا بھی بی گل کے ساتھ اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی اور ان کے بیٹھتے ہی تیمور نے بھی اپنی
گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

☼ ☼ ☼

گاڑی میں روڈ پہ آتے ہی فارہ کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا تھا۔ اور اس کے آنسو اس کے رخساروں پہ بہہ نکلے
تھے' اسے آفاق کے نہ آنے کا دکھ شدت سے رلا گیا تھا۔ وہ بے اختیار دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو پڑی تھی۔
اور پھر گھر آنے تک اس کی ہچکیوں کا اور آنسوؤں کا سلسلہ جاری رہا تھا۔
اس کے آنسو اور ہچکیاں رکنے میں نہیں آرہے تھے' جبکہ گاڑی گھر کے پورچ میں آرکی تھی۔ ڈرائیور نے
پلٹ کر اس کی طرف دیکھا پھر اسے ڈسٹرب کیے بغیر گاڑی سے نیچے اتر گیا تھا۔
اس کے فون پہ بجنے والی رنگ ٹون نے اسے سنبھلنے پہ مجبور کیا۔ اس نے آہستگی سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے
موبائل نکال کر دیکھا تھا۔ ثمینہ یزدانی اسے کال کر رہی تھیں۔ وہ ان کی کال ڈس کنیکٹ کرکے گاڑی سے نیچے اتر
آئی تھی اور اپنے آپ کو کنٹرول کرتے ہوئے اندر آگئی تھی۔
"السلام علیکم آنٹی!" فارہ ان کا سامنا تو نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اب وہ اس کے لیے پریشان تھیں تو ان سے
بات کرنا تو ضروری تھا۔
"وعلیکم السلام! اتنی دیر کر دی تم نے؟ میں پریشان ہو رہی تھی۔"
وہ فوراً لپک کے اس کے قریب آئی تھیں۔
"سوری آنٹی! وہ ماورا کی بی گل ابھی اسپتال سے ڈسچارج ہوئی ہیں' وہ اکیلی تھیں تو میں بھی زیادہ دیر رک گئی۔"
فارہ نے نظریں جھکاتے ہوئے معذرت کی تھی۔
"کیوں؟ آفاق نہیں آیا کیا؟" انہیں مزید تشویش ہوئی تھی کیونکہ وہ کافی دیر سے آفاق کے نمبر پہ بھی ٹرائی
کر رہی تھیں' مگر نمبر بند جا رہا تھا اور وہ سمجھ رہی تھیں کہ شاید آفاق بھی اسپتال ہی چلا گیا ہو گا۔
"نہیں!" فارہ نے کہتے ہوئے چہرہ جھکا لیا تھا۔
"لیکن اس نے تمہیں کہا تو تھا کہ وہ آجائے گا؟" ثمینہ یزدانی کی پریشانی حد سے سوا ہو گئی تھی۔
"وہ صرف کہتے ہیں۔ کرتے نہیں ہیں۔" فارہ روہانسی آواز میں کہتی ہوئی یک دم اک جھٹکے سے پلٹ کر اپنے
بیڈ روم میں چلی گئی۔
اور ثمینہ یزدانی کو اک نئی ٹینشن لگ گئی تھی۔

"اف! یہ لڑکا اب بھی اپنی لاپروائیوں سے باز نہیں آرہا؟ میں کیا کروں اس کا۔" ثمینہ یزدانی بے چینی کے
مارے ڈرائنگ روم میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی تھیں۔
انہیں بار بار فارہ کی سرخ روئی روئی آنکھوں اور بھرائی ہوئی آواز کا خیال آرہا تھا۔ جب سے ان کی شادی ہوئی
تھی۔ انہوں نے ایک بار بھی فارہ کو خوش باش اور کھلکھلاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی تو مسکراہٹ بھی
انہیں زبردستی کی مسکراہٹ لگتی تھی۔ اسی چیز کو سوچ سوچ کر ان کا دماغ شل ہوتا رہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آفاق! کہاں جا رہے ہو تم؟" زوبیہ اسے بیڈ سے اٹھتے دیکھ کر یکدم اس کے پاس آئی تھی۔
"گھر۔ اور کہاں؟" آفاق اپنے بوٹوں کے تسمے باندھنے لگا۔
"لیکن آفاق! تمہیں پتا ہے اس طرح۔" زوبیہ نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر آفاق نے اسے ٹوک دیا تھا۔
"مجھے پتا ہے۔ لیکن پہلے ہی بہت لیٹ ہو چکا ہوں۔ میری زوجہ اور میری والدہ مجھ پہ فاتحہ پڑھ چکی ہوں گی۔" وہ
کہتا ہوا بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اف! اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔ کیسی باتیں کرتے ہو۔" زوبیہ نے خفگی کا اظہار کیا۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی؟" زوبیہ کے والد شاہ نواز نے کمرے میں آتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"ہونا تو کچھ نہیں رہا۔ بس آپ اپنی بیٹی کو سمجھا دیں کہ میرے لیے اتنی کانشس نہ ہوا کرے۔ ورنہ میرے دل کو کچھ ہونے لگتا ہے۔" آفاق کہتے ہوئے مسکرایا تھا۔ جس پہ وہ دونوں باپ بیٹی بھی ہنس پڑے تھے۔

"تم بھی کمال کے ہو اور تمہارا دل بھی کمال کا ہے۔ پل میں کچھ ہونے لگتا ہے۔" وہ دونوں باپ بیٹی خاصے لطف اندوز ہوئے تھے۔

"ہاں جی! آپ لوگوں کو پورا حق ہے کہ آپ ہمارا مذاق اڑاؤ۔ بہرحال اتنی خاطر تواضع کا بہت بہت شکریہ۔ میں ابھی چلتا ہوں۔ گھر جا کر بھی بہت کچھ فیس کرنا ہے۔"

وہ بھی جواباً مسکرایا تھا اور پھر ان لوگوں سے اجازت لے کر وہاں سے نکل آیا تھا۔

٭ ٭ ٭

ثمینہ یزدانی اس کے انتظار میں ابھی تک ڈرائنگ روم میں ٹہل رہی تھیں۔ ان کو اس طرح پریشانی اور فکر مندی کے عالم میں اپنے انتظار میں ٹہلتے دیکھ کر آفاق بے اختیار شرمندہ ہوا۔

"السلام علیکم مام!" آفاق کی آواز اور لہجہ شرمندگی کے مارے دھیما ہو گیا تھا۔

"کہاں تھے تم؟" ثمینہ یزدانی نے بے لچک انداز میں پوچھا۔

"اپنے ایک دوست کے ساتھ تھا۔" اسے یقین تھا کہ آج وہ اس کا یقین نہیں کریں گی۔

"جھوٹ مت بولو آفاق! مجھے سچ سچ بتاؤ کہاں تھے تم؟ کہاں سے آ رہے ہو؟" ثمینہ یزدانی کا غم و غصے سے برا حال تھا۔

"ایم سوری مام! میری طبیعت خراب۔"

"شٹ اپ! شٹ اپ آفاق! مجھے تمہاری بکواس نہیں سننی۔ جھوٹ پہ جھوٹ۔ جھوٹ پہ جھوٹ۔ سن سن کر تھک گئی ہوں میں۔ شادی ہو چکی ہے تمہاری۔ اب بدل جاؤ۔ پہلے والی لاپروائیاں اور کوتاہیاں چھوڑ دو۔ ہمارا نہ سہی اس کا ہی خیال کر لو جو اپنے ماں باپ، گھر بار اور شہر تک چھوڑ آئی ہے تمہاری خاطر۔ اور تم اس کی خاطر اپنی عادتیں نہیں چھوڑ سکتے؟"

ثمینہ یزدانی یک دم پھٹ پڑی تھیں اور آفاق کا سر جھک گیا تھا۔ وہ اس کی کوئی بھی بات سننے کو تیار نہیں تھیں۔

"میں آخری بار کہہ رہی ہوں۔ اپنی عادتیں بدل لو آفاق! ورنہ مجھے فارہ کے لیے کوئی انتہائی فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔ یہ نہ ہو کہ بعد میں تم کو پچھتانا پڑے۔"

ثمینہ یزدانی بپھرے ہوئے انداز میں کہہ کر اس کے پاس سے گزر کے چلی گئی تھیں اور آفاق گہری سانس خارج کرتے ہوئے پلٹ کر ڈھیلے ڈھالے قدم اٹھاتا اوپر آ گیا تھا۔ دروازہ کھول کے اندر داخل ہوا ہی تھا کہ قدم ایک بار پھر ٹھٹک گئے تھے۔

سامنے ہی فارہ کھڑکی کے دونوں پٹ کھولے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

اس نے دروازے کی آہٹ پہ بھی پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھا تھا وہ دروازہ بند کر کے آہستہ قدموں سے چلتا اس کے قریب آیا۔

"ایم سوری فارہ! ایم رئیلی سوری!" اس نے آہستگی سے معذرت کی "مجھے پتا تھا تمہیں بہت انتظار رہا ہو گا۔ تم نے

فون بھی ٹرائی کیا ہو گا، لیکن پھر بھی۔" آفاق کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اس کے سامنے کون سا بہانہ کرے؟ کہ وہ مان جائے۔ ثمینہ یزدانی تو اس پہ اپنا غبار نکال کر چلی گئی تھیں۔

"فارہ! وہ دراصل۔۔۔" اس نے اس کے عقب میں کھڑے کھڑے اس کے کندھوں پہ دونوں ہاتھ رکھے تھے اور فارہ بدک کر دور ہٹ گئی تھی۔

"ڈونٹ ٹچ می آفاق یزدانی! ڈونٹ ٹچ می!" وہ غصے سے پھنکار اٹھی تھی۔

"فارہ!" اس نے پھر کچھ کہنا چاہا تھا۔

"بس۔ اب اور نہیں۔ اب اور برداشت نہیں ہے مجھ میں۔ انگیج منٹ سے لے کر اب تک بہت سہہ لیا میں نے۔ بہت دیکھا، بہت سوچا، بہت چاہا۔ مگر وہ حاصل نہ ہوا جس کے آپ نے دعوے کیے تھے اور جس کے آپ نے وعدے کیے تھے۔ سب بے کار ہے۔ میں بھی اور میری محبت بھی۔ کوئی قدر نہیں، کوئی ویلیو نہیں ہے آپ کی نظروں میں۔ اور جہاں انسان کی کوئی اہمیت نہ ہو وہاں وہ پاؤں کی جوتی کے برابر ہوتا ہے۔ ضرورت کے وقت پہن لینا۔ پھر اتار پھینکنا۔"

فارہ نے اس کے سامنے کبھی اس طرح سخت لہجے اور سخت الفاظ استعمال نہیں کیے تھے۔ مگر آج برداشت جواب دے گئی تھی۔

آج اس کی ماورا کے سامنے سبکی ہوئی تھی۔ کل کو کسی اور کے سامنے بھی ہو سکتی تھی۔ آج اس کا اپنی دوست کے سامنے مان ٹوٹا تھا، کل کو اپنے گھر والوں کے سامنے بھی ٹوٹ سکتا تھا، جبکہ وہ ٹھہری ایک نرم اور حساس لڑکی۔ اس سے یہ سب سہنا مشکل ہی نہیں بلکہ بہت ہی مشکل تھا۔

"صرف اس بار معاف کر دو فارہ! آئندہ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔" آفاق نے پھر ایک کوشش کی۔

"ایک شرط پر معاف کر سکتی ہوں۔!" فارہ نے روئی روئی متورم آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا مگر بہت سرد و سپاٹ سے انداز میں۔

"کیا؟" آفاق نے فوراً پوچھا۔

"مجھے طلاق دے دیں!" فارہ نے جیسے بم پھوڑ دیا تھا۔

چٹاخ۔۔۔! دوسرے ہی لمحے آفاق کا ہاتھ اٹھا اور ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کا نشان فارہ کے چہرے پر نقش کر گیا تھا۔

"آئندہ تمہاری زبان نے اس لفظ کو چھوا بھی تو مجھ سے برا کوئی بھی نہیں ہو گا۔" آفاق کا چہرہ غصے سے تپ اٹھا تھا اس کے لہجے اور آواز کی نرمی، تلخی میں بدل گئی تھی۔

فارہ کے آنسو چھلک آئے تھے۔

"میری بیوی بننے کے بعد تم صرف بیوہ ہو سکتی ہو، طلاق یافتہ نہیں۔ آزاد ہونا چاہتی ہو تو میرے مرنے کی دعا کرو۔"

فارہ روتی بلکتی وہیں بیڈ پہ ڈھیر ہو گئی تھی۔

ان دونوں کی رات یونہی جلتے سلگتے اور کڑھتے ہوئے گزر گئی تھی۔

٭ ٭ ٭

"مجھ سے ملو۔" عزت کے نمبر پہ ولید کا پہلا بے چین سا اور لو دیتا ہوا میسج موصول ہوا تھا اور عزت نیند سے

اٹھتے ہی جیسے دن بھر کے لیے سیراب ہوگئی تھی۔

"کیسے؟" اس نے بڑی شرارت سے پوچھا۔

"ملوگی تو بتاؤں گا کہ کیسے۔" فوراً جواب آیا۔

"ابھی بتادو۔" اس نے بچوں کی طرح ضد کی۔

"ابھی مل لو۔" وہ بھی اسی کے سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"اتنی بے چینی کیوں۔"

"میرا دل کہہ رہا ہے۔ جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ اور اس ہونے سے پہلے کچھ اور ہوجائے' بس یہی دل چاہ رہا ہے۔" ولید کا میسج دیکھ کر عزت کا دل دہل گیا تھا۔

"صبح صبح ایسی باتیں؟" وہ خفا ہوئی۔

"صبح صبح دل چاہ رہا تھا کہ آنکھ کھلے اور نظروں کے سامنے تمہاری صورت ہو۔ لیکن افسوس۔"

"افسوس بعد میں کرنا۔ ابھی ناشتا کرو۔" عزت بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"پھر ملوگی؟" اگلا میسج آیا۔

"نہیں! پھر یونیورسٹی جانا ہے۔" جواب بھی تیار تھا۔

"پھر اس کے بعد ملوگی؟" پھر استفسار۔

"نہیں! پھر گھر آنا ہے۔" پھر انکار۔

"عزت!" اس کی التجا اک لفظ سے ہی نظر آرہی تھی۔

"جی ولید!" اس کی شرارتوں کو عروج مل رہا تھا۔

"میری محبت' میرے اظہار' میری بے چینی اور میرے قرار کا پہلا دن ہے آج۔ ستاؤ مت۔ ساتھ دو۔ حوصلہ افزائی کرو۔ دل بہت دھڑک رہا ہے۔"

ولید کا یہ میسج پڑھ کر تو عزت کے منہ سے یکدم ایک کھلکھلاتا ہوا قہقہہ پھوٹ نکلا تھا۔ اور اس قہقہے سے اس کے کمرے کے در و دیوار گونج اٹھے تھے۔

"ارے واہ! یہ اکیلے اکیلے پھول کیوں بکھیرے جارہے ہیں۔؟" رضا حیدر اس کے بیڈ روم کے سامنے سے گزرتے گزرتے ٹھہر گئے تھے اور پھر دروازہ کھول کر اندر بھی آگئے تھے۔

"کچھ نہیں بابا! ایک دوست کا میسج پڑھ کر ہنسی آگئی۔" عزت آگے بڑھ کے ان کے کندھے سے لگ گئی تھی۔

"ہوں گڈ! خوش رہو۔ ہمیشہ ہنستی رہو میری جان۔" رضا حیدر نے اس کا ماتھا چوم کر اس کا سر تھپکا تھا۔

"تھینک یو بابا! دعا کریں میری زندگی کی ہر صبح ایسی ہی ہو' تازہ' امنگوں اور محبتوں کے احساس سے بھری ہوئی۔" عزت نے بڑی چاہ سے کہا تھا اور رضا حیدر مسکرا اٹھے تھے۔

"ان شاء اللہ!"

"تھینکس اگین بابا!" وہ آج بات بے بات چہک رہی تھی۔

"پگلی۔! اب جاؤ اور فریش ہو کر نیچے آجاؤ۔ ناشتا تیار ہوچکا ہے۔" وہ اس سے کہتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے تھے اور عزت ابھی آنے کا کہہ کر پھر سے موبائل کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

"سوری! بابا آگئے تھے۔ لیکن تم نے بتایا نہیں دل کیوں دھڑک رہا ہے؟"

وہ اس سے سننا چاہتی تھی۔

"سب بتاؤں گا۔ تم ایک بار ملو تو سہی۔" وہ جیسے زچ ہوگیا تھا۔

"اوکے سوچتی ہوں۔" وہ بھاؤ کھانے لگی۔

"کس بارے میں؟" اسے تعجب ہوا۔

"یہی تم سے ملنے کے بارے میں۔" وہ اترا کے لکھ رہی تھی۔

"ہاں ہاں۔ تمہارا حق بنتا ہے کہ تم بدلہ چکاؤ۔ ٹھیک ہے۔ میں صبر سے انتظار کرتا ہوں۔" "شاباش۔ گڈ بائے۔" عزت نے آخری میسج لکھنے کے ساتھ ہی واش روم کا رخ کیا تھا کیونکہ وہ لیٹ ہورہی تھی اور اسے یونیورسٹی کے لیے تیار بھی ہونا تھا ابھی۔

☼ ☼ ☼

"مس سحرش! مس ماورا مرتضیٰ کہاں ہیں۔" تیمور اس کی خالی سیٹ دیکھ کر اپنی پی اے کی طرف پلٹا تھا۔

"سوری سر! ماورا مرتضیٰ تو آج بھی نہیں آئیں۔" اس کی پی اے نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے تیمور کو ٹھٹکنے پر مجبور کردیا تھا۔

"واٹ! وہ مسلسل تین دن سے غیر حاضر ہیں کیوں۔؟" تیمور کو خفگی اور الجھن ہوئی تھی۔ "آپ نے کانٹیکٹ کیا ان سے؟" اس نے سحرش زمان سے کنفرم کروانا چاہا تھا۔

"جی سر! ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی کانٹیکٹ کیا ہے۔ ان کی شاید دادی اماں بیمار ہیں' اس لیے ان کی تیمارداری کی وجہ سے نہیں آرہیں۔" سحرش زمان سے جو کہا گیا تھا۔ اس نے بتادیا تھا۔

"وہ جانتی ہیں ان کا پروجیکٹ کتنا لیٹ ہورہا ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارے کام پہ کتنا برا اثر پڑے گا' اور کتنا نقصان ہوگا ہمیں۔" تیمور کو غصہ آیا تھا۔

"سر! وہ کہتی ہیں کہ وہ کور کرلیں گی۔"

"کیسے؟ تین چار دن کا کام کیسے کور ہوگا۔؟" وہ مسلسل جھنجلا رہا تھا۔

"سر! انہوں نے اپنی فائل گھر پہ ہی تیار کرلی ہے' اور آج ڈرائیور کے ہاتھ آفس بھجوادیں گی۔ اس لیے پروجیکٹ لیٹ نہیں ہوگا اور نہ ہی کام میں کوئی رکاوٹ آئے گی۔"

ماورا مرتضیٰ اس سے بھی دو ہاتھ آگے ثابت ہوئی تھی۔ اس نے تیمور کے اعتراض والا بیج ہی نہیں اگنے دیا تھا۔ سر اٹھاتے ہی ختم کردیا تھا۔

"ہوں۔ تو یہ بات ہے۔" (یعنی وہ آفس سے کترا رہی ہے۔) وہ اب اس کی اصل رمز سمجھ گیا تھا اسی لیے سحرش زمان سے مزید استفسار نہیں کیے تھے۔

"اوکے۔ ٹھیک ہے!" وہ کہہ کر اپنے روم میں آگیا تھا' مگر اسے بھلا چین کب آسکتا تھا؟ اس نے کچھ دیر بعد ماورا کا نمبر ڈائل کرلیا تھا۔

"ہیلو۔!" ماورا کی بہت بھری ہوئی سی آواز سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"تیمور حیدر بات کررہا ہوں۔" اس نے جان بوجھ کر تعارف کروایا۔

"میرے سیل کی اسکرین فی الحال ٹھیک کام کررہی ہے۔ نام اور نمبر با آسانی دیکھ لیے جاتے ہیں۔"

"لیکن آپ کے ذہن کی اسکرین کے سسٹم میں شاید کوئی گڑبڑ ہے۔ آپ کو بھول چکا ہے کہ تین چھٹیوں سے

زیادہ کی اجازت نہیں ہے۔ اور یہ اس آفس کے رولز میں ہے۔ آپ یہ رولز نہیں توڑ سکتیں۔" تیمور کا دماغ اور ہی ہو رہا تھا۔

"لیکن سر! آپ اگر اپنے ذہنی سسٹم سے کام لے کر غور کریں تو آپ کو پتا چلے گا کہ میں نے آپ کے آفس کے رولز بالکل نہیں توڑے۔ آج میری تیسری چھٹی ہے۔ چوتھی نہیں۔ آپ کو یہ کال کل کرنی چاہیے تھی۔ وہ بھی تب 'جب میں آفس نہ آتی۔"

وہ اس کی بات پر بے ساختہ چونکا تھا اور پھر اس کی ذہانت پہ سر جھٹک کر رہ گیا تھا۔

"یہی بات انفارم کرنے کے لیے کال کی ہے کہ مزید چھٹی کی گنجائش نہیں ہے 'پلیز اب احتیاط کریں۔" تیمور بھی پینترا بدل گیا تھا۔

"اگر میں اس جاب سے ہی احتیاط کرنا چاہوں تو؟" ماورا کی بات پہ اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"کیا مطلب؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"مطلب یہ کہ اگر میں یہ جاب چھوڑ دوں تو؟" ماورا جو اتنے دنوں سے سوچ رہی تھی کہہ ہی گئی تھی مگر تیمور حیدر کو حیرتوں کے سمندر میں دھکیل گئی تھی۔

"یہ جاب چھوڑ دیں مگر۔" تیمور کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا۔

"کیا مگر؟ آپ جو کہنا چاہتے ہیں کھل کے کہیں پلیز۔" ماورا نے اسے بولنے پہ اکسایا تھا۔

"کچھ نہیں! آپ کل آفس آئیں پھر آپ سے بات ہوگی۔" اس نے فون بند کرنا چاہا تھا۔

"اس سے کیا فرق پڑے گا بھلا؟" وہ لاپروائی سے بولی۔

"آپ چاہتی کیا ہیں آخر۔" تیمور کا دماغ ماؤف ہونے کو تھا اور وہ لڑکی ہے یا بھول بھلیاں۔ اس کی ذات کا اس کی بات اس کی ملاقات کا کوئی سرا ہی ہاتھ نہیں آرہا تھا۔

"میں جو چاہتی ہوں وہ آپ کے اختیار سے باہر ہے۔" ماورا کا استہزا تیمور کو کھا گیا تھا۔

"ایسا کیا ہے آخر؟" وہ زچ ہونے کو تھا۔

"آپ کے لیے شاید کچھ بھی نہ ہو۔ مگر میرے لیے بہت کچھ ہے۔ اس لیے میں یہ جاب چھوڑ کر کہیں اور قسمت آزمانا چاہتی ہوں۔ مجھے اپنی قسمت پر پورا بھروسا ہے۔" وہ بڑے پرسکون اور تحمل آمیز لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"دیکھیں مس ماورا مرتضیٰ! آپ کل آفس آرہی ہیں اور میری آپ سے بات اب آفس میں ہی ہوگی اور جو بھی بات ہوگی وہ زندگی کی فیصلہ کن اور آخری بات ہوگی۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔ تیمور حیدر کا وعدہ۔ یعنی ایک مرد کا وعدہ۔ اللہ حافظ۔"

تیمور نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور کچھ دیر کے لیے دونوں طرف سناٹا چھا گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)